امام مسلم علیہ الرحمۃ

اور

اُن کی جامعِ صحیح کی خصوصیات

از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام و نسب نام مسلم بن حجاج بن داؤد بن کوشاد لقب عساکر الدین اور کنیت ابو الحسین ہے مولد و مسکن کے لحاظ سے اگرچہ ان کے خمیر میں عجم کی خاک کا عنصر بھی شامل ہے، لیکن درحقیقت ان کا سلسلہ نسب عرب کے مشہور قبیلہ بنی قشیر سے ملتا ہے، اسی بنا پر انہیں قشیری کہا جاتا ہے، علامہ ذہبی کی تحقیق میں امام مسلم ۲۰۴ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے[1]۔ ان کے سن پیدائش میں قدرے اختلاف ہے، ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ، ۲۰۶ھ مختلف اقوال ہیں، اور اسی آخری قول کو ابن الاثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں راجح قرار دیا ہے[2]، اور ابن خلکان کی بھی یہی تحقیق ہے۔

سماعِ حدیث کے لئے سفر امام مسلمؒ نے جب اپنی شعور کی آنکھیں کھولیں تو ہر چہار جانب علمِ حدیث کا غلغلہ تھا، خوش قسمتی سے امام موصوف نیشاپور جیسے شہر میں پیدا ہوئے جسے اس زمانہ میں مرکزیت حاصل تھی، علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں: قد کانت نیسابور من أجل البلاد واعظمہا لم یکن بعد بغداد مثلہا۔[3]

(نیشاپور اس قدر بڑے اور عظیم الشان شہروں میں سے تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی) علامہ ذہبی نے امام موصوف

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۵۔ [2] فتح الملہم ص ۱۰۰ و بستان المحدثین ص ۱۱۶۔ [3] طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۱۷۳۔

کے سماعِ حدیث کی ابتداء ۲۱۸ھ کو قرار دیا ہے، اس لئے اس حساب سے گویا ۱۴ برس کی عمر سے سماعت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اس سے پہلے بھی سماعت کے مواقع حاصل تھے، لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے اس کو اس وقت کے لئے محفوظ رکھا جو ہر قسم کی اہلیت کا زمانہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس فن کے نشیب و فراز اور اس کے نکات کو پیشِ نظر رکھ کر اس میدان میں قدم رکھا۔

شیوخ و تلامذہ امام موصوف کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہو سکے، لیکن خراسان و نیشاپور میں اسحٰق بن راہویہ اور امام ذہلی جیسے امامِ فن موجود تھے، امام موصوف نے ان کے علاوہ مختلف مقامات کی خاک چھانی، عراق، حجاز شام و مصر ان مقامات پر بکثرت تشریف لے گئے، بغداد متعدد بار جانا ہوا[۱]۔ اور بغداد میں آپ نے درس بھی دیا ہے بغداد کا آخری سفر ۲۵۹ھ میں ہوا، جس کے دو سال کے بعد آپ انتقال فرما گئے[۲]۔ وہاں کے محدثین میں سے محمد بن مہران اور ابو غسان وغیرہ سے سماعت کی، عراق میں امام احمد بن حنبلؒ اور عبداللہ بن مسلمہ، قعنبی سے استفادہ کیا، حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب سے روایتیں حاصل کیں، مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ کے خرمنِ فیض سے خوشہ چینی کی[۳] احمد بن مسلمہ کی رفاقت میں بصرہ و بلخ کا بھی سفر کیا، قال الذھبی رفیق مسلم فی الرحلۃ إلی بلخ وإلی بصرۃ[۴] امام بخاریؒ سے نیشاپور میں کچھ استفادہ کیا[۵]۔ ان بزرگوں کے علاوہ احمد بن یونس یربوعی و اسماعیل بن ابی اویس، عون بن سلام وغیرہ سے بہت کچھ حاصل کیا، امام بخاریؒ کے بہت سے شیوخ میں شریک ہیں، تلامذہ میں ابو عیسیٰ ترمذی صاحب السنن، ابو حاتم رازی، ابو بکر بن خزیمہ اور ابو عوانہ جیسے ائمۂ فن داخل ہیں[۶]۔

امامؒ موصوف کے فضل کا اعتراف امام موصوفؒ کے زمانہ میں سیکڑوں ائمۂ فن پیدا ہو چکے تھے جس میں بہت سے شیوخ کو امام موصوف کی استاذی کا شرف حاصل ہے، تاہم امام صاحب کی فطری قابلیت اور قوتِ حافظہ کی وجہ سے اس قدر برگزیدہ بنا لیا تھا کہ اسحاق بن راہویہ جیسے امامِ فن نے ان مختصر الفاظ میں پیشین گوئی فرمائی ہے۔ أی رجل یکون ھذا (خدا جانے کس بلا کا یہ شخص ہوگا،) اسحاق کوسج نے امام صاحب کو مخاطب کر کے

---

۱ تاریخ بن خلکان ج ۲ ص ۱۳۵ - ۲ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۳۳ - ۳ مقدمہ نووی ص ۱۲

۴ تذکرہ ص ۲۱۱/۲ ۵ البدایہ والنہایہ ص ۳۵ ج ۱۱ ۶ تذکرہ ص ۱۵۱/۲

فرمایا:۔ لن تعدم الخیر ما أبقاك اللہ للمسلمین (جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لئے باقی رکھے گا بھلائی آپ کے ہاتھ سے نہ جائے گی) امام ابو زرعہ و ابو حاتم جیسے بزرگ امام صاحب کو اپنے زمانہ کے تمام شیوخ پر ترجیح دیتے تھے، ابو قریش نے تمام دنیا کے حفاظ اربعہ میں شمار کیا ہے، ابو سلمہ جو امام صاحب کے رفیقِ درس تھے وہ آپ کے اس قدر گرویدہ تھے کہ پندرہ سال مسلسل آپ کے ساتھ صحیح مسلم کی ترتیب میں شریک رہے۔[1]

اخلاق وعادات، زہد وتقویٰ پوری زندگی میں نہ کسی کی غیبت کی اور نہ ضرب وشتم کیا۔[2] امام صاحب اپنے اساتذہ و شیوخ کا بے حد احترام فرماتے تھے، نیشاپور کے سفر میں امام بخاریؒ کی خدمت میں بکثرت حاضر ہوتے تھے، ایک مرتبہ ان کی تبحرِ علمی اور زہد وتقوی سے متاثر ہو کر بے ساختہ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا اور بے خودی میں پکار اٹھے:۔

أقبل رجلیك یا أستاذ الأستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله۔

امام صاحب نہایت پاکیزہ خو اور انصاف پسند تھے، امام بخاریؒ کے نیشاپور کے زمانہ قیام میں جب وہاں کی مجالسِ درس بے رونق ہو گئیں اور امام بخاریؒ پر خلق کا ہجوم ہونے لگا تو حاسدین نے حسد کیا، عوام تو عوام امام ذہلی تک نے امام بخاریؒ کی مخالفت مسئلہ خلقِ قرآن میں کی، اور اپنی مجلسِ درس میں اعلان کر دیا" ألا من کان یقول بقول البخاری فی مسئلة اللفظ بالقرآن فلیعتزل مجلسنا" اس اعلان کو سن کر امام مسلم فوراً مجلس سے اٹھے اور ان سے مسموعہ روایات کے تمام مسودے ان کو واپس کر دیئے، اور امام ذہلی سے بالکلیہ روایت کرنا ترک کر دیا۔[3]

اسی طرح اپنی کتاب کو لکھ کر ابو زرعہ کے سامنے پیش کیا، جن روایات کو وہ صحیح بتاتے ان کو باقی رکھتے اور جن پر وہ نکتہ چینی کرتے اس کو ترک فرما دیتے۔[4] اس سے امام صاحب کے اخلاص و بے نفسی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مسلک امام مسلم کے مسلک کی تعیین میں بڑی دشواری ہے، مولانا انور شاہؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلم و ابن ماجہ کا مذہب معلوم نہیں ہے چونکہ صحیح مسلم کے ابواب مؤلف نے بذاتِ خود قائم نہیں کئے ہیں، اس لئے انکے مذہب کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔[5] عرف الشذی میں بھی ناقل نے یہی لکھا ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:۔ فلا أعلم مذهبه بالتحقیق۔ مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے انہیں شافعی شمار کیا ہے۔[6]

---

[1] تذکرہ ص۱۲۶ ۔ [2] بستان ص۱۱۱ ۔ [3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۳ ۔ [4] مقدمہ نووی ص۱۱ و تدریب ص۲۸ [5] فیض الباری ص۴۸۳ ۔ [6] حطہ ص۹۸

شیخ عبداللطیف سندی فرماتے ہیں: امام ترمذی و مسلم کے متعلق عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں امام شافعی کے مقلد ہیں، حالانکہ یہ دونوں مجتہد تھے، البتہ بہت سے مسائل میں ان سے استفادہ کیا ہے ان کے اجتہاد کی طرف حافظ ابن حجر نے بھی اشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں :- ثقۃ امام کذا فی التقریب - مولانا عبدالرشید صاحب کی تحقیق ہے کہ امام مسلم مالکی المذہب تھے[۱] مگر طبقات المالکیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: جامع الصحیح للامام مسلم الشافعی - صاحب الیانع الجنی نے امام مسلم کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ اصولی طور پر شافعی تھے، انھوں نے امام شافعی سے بہت کم اختلاف کیا ہے۔[۲]

شیخ طاہر جزاری کی رائے بھی امام مسلم کے متعلق یہی ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد محض نہیں تھے البتہ امام شافعی وغیرہ اہلِ حجاز کے مسلک کی طرف مائل تھے۔[۳]

وفات کا حال امام صاحب کی پوری زندگی میں ان کی وفات کا واقعہ نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز ہے، خصوصاً اس سے امام صاحب کی علمی شیفتگی اور انہماک کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہا گیا ہے کہ مجلسِ درس میں ایک حدیث کے متعلق دریافت کیا گیا جو امام صاحب کو سوءِ اتفاق سے یاد نہ آئی اور پھر گھر واپس آئے تو انھیں ایک خرمے کی تھیلی پیش کی گئی، حدیث کی تلاش و جستجو میں اس قدر محو ہوئے کہ چھوہارے آہستہ آہستہ سب کھا گئے اور حدیث بھی مل گئی، یہی امام صاحب کی موت کا سبب ہوا۔

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں، کانت وفاتہ بسبب غریب نشأ فی غمرۃ فکرۃ علمیہ، اس وقت عمر شریف ۵۵ سال تھی،

لیکن علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ تقریباً ساٹھ سال تھی کیوں کہ مشہور قول کے مطابق ان کی سنِ ولادت ۲۰۴ھ تھی۔[۴]

بہر حال امام صاحب نے ۲۵ رجب ۲۶۱ھ یک شنبہ کے دن وفات پائی، دو شنبہ کے روز جنازہ اٹھایا گیا اور نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کیے گئے۔[۵] علامہ ذہبی فرماتے ہیں قبرہ یزار ان کی قبر مبارک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔[۶]

---

[۱] مختصر اماتمس بہ الحاجۃ ص ۲۶ - [۲] لامع ص ۱۹ - [۳] توجیہ النظر ص ۱۸۵، [۴] مقدمہ فتح الملہم ص ۱۰۱ - [۵] ابن خلکان ص ۱۳۶ ج ۲
[۶] تذکرہ۔

عبدالرحمٰن شافعی فرماتے ہیں:۔

تنازع قوم فی البخاری ومسلم لدیّ وقالوا أیّ ذین تقدم

فقلت لقد فاق البخاری صحۃ کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلم[۱]

تخریج روایات کے شرائط صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں تخریج کے شرائط نہیں بیان کئے البتہ ان کے مطالعہ کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے[۲] جس زمانے میں امام صاحب نے اپنی کتاب کو مرتب فرمایا، اس وقت موضوع وضعیف، صحیح وغلط ہر طرح کی حدیثیں موجود تھیں، اس بنا پر انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں احادیث کی تین قسمیں اور راویوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں، جن سے ان کے شرائط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۱- وہ احادیث جو بالکل صحیح ہوں اور ان کے رواۃ متقن، ضابط اور ثقہ تسلیم کئے گئے ہوں۔

۲- وہ احادیث جن کے رواۃ باعتبار ثقاہت اور حفظ واتقان کے پہلے قسم کے راویوں سے کم نہ ہوں۔

۳- وہ احادیث جن کے رواۃ کو عموماً یا اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قسمِ اوّل کے بعد قسمِ ثانی کو کتاب میں درج کروں گا لیکن قسم ثالث کی طرف التفات نہ ہوگا۔[۳]

اس لئے اہلِ علم اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں کہ اس تقسیم سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابو عبداللہ حاکم، اور امام بیہقی کا خیال ہے کہ امام صاحب کی موت نے دوسرے طبقہ کی حدیثوں کی تخریج کا موقعہ نہیں دیا بلکہ صحیح مسلم میں صرف طبقۂ اولیٰ کی روایات ہیں، لیکن قاضی عیاض نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، فرماتے ہیں کہ دونوں طبقہ کی حدیثیں موجود ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ طبقۂ ثانیہ کی روایات متابعت یا شواہد کے طور پر درج ہیں اسی طرح ان ابواب میں بھی آگئی ہیں جس میں طبقۂ اولیٰ کی حدیثیں دستیاب نہ ہوسکیں، اسی طرح ان راویوں کی روایات سے بھی تعرض کیا ہے جن کو بعض محدثین نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر قرار دیا ہے یا وہ متھم بالبدعۃ ہیں۔[۴] کذالک فعل البخاری۔ غرض یہ کہ تینوں طبقات کی روایات کتاب میں آگئی ہیں، اور امام صاحب کے نزدیک حدیثِ صحیح کی شرط یہ ہے کہ حدیث متصل الاسناد ہو اور ابتدا تا انتہا ثقہ راویوں نے روایت کیا ہو۔ شذوذ وعلت سے پاک ہو، جب یہ شرائط کسی حدیث میں پائے جائیں تو وہ بالاتفاق صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔

---

۱ بستان ص ۱۱۶، ۲ شروط الائمہ، ۳ مسلم ص ۱۵ - ۴ شروط الائمہ ص ۵۳ وفتح الملہم ص ۵۷

دعصر ما بعد در معرفت علل دغوامض این"[1]

یعنی صحیح مسلم و بخاری کی صحت پر تلقی بالقبول اور تسلیم عام حاصل ہے، کیوں کہ امام بخاری و امام مسلم اپنے زمانے اور مابعد کے ائمہ پر احادیث کے علل اور اس کی باریکیوں کی معرفت و تمیز میں سب پر مقدم و فائق تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ "حسن ترتیب وغیرہ کے لحاظ سے اس کا مقام بہت بلند ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسے صحیح بخاری پر بھی اچھا لاہے"[2]

غلط فہمی کا ازالہ | حاکم کے شیخ ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں: ما تحت أدیم السماء کتاب أصح من صحیح مسلم[3] اسی طرح بعض مغاربہ نے بھی مسلم کو بخاری پر ترجیح دی ہے، بظاہر ان لوگوں کی ترجیح کا منشایہ ہے کہ امام صاحب کے پیش نظر فقط احادیثِ صحیحہ کا انتخاب ہے برخلاف امام بخاری کے کہ وہ موقوفات و آثار وغیرہ کو بھی اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں، اگر یہی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، چونکہ اس سے صحیح مسلم کا نفسِ صحت میں راجح ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اگر مطلقاً اصح کہنا چاہتے ہیں تو یہ قول ناقابلِ اعتبار ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ۔ ابو علی وغیرہ کا قول مجمل ہے اس سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بخاری کے سوا مسلم کی کتاب اصح ہے، اور اگر مطلقاً اصح کہنا چاہیں تو البتہ یہ قول ناقابلِ تسلیم ہے، مگر ان کے قول میں یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ بخاری سے اصح تو نہیں ہے البتہ صحیت میں دونوں کتابوں کے درمیان مساوات ہے، اگر یہی مراد ہے تو یہ قول بھی جمہور امت کے متفقہ فیصلے کے خلاف ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں، کہ وہ اپنے اس قول میں منفرد ہیں، علامہ ابوسعید علائی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو علی صحیح بخاری سے ناواقف تھے۔[4] لیکن یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے بلکہ فی الواقع میرے نزدیک اصح کہنے سے مراد افضل ہے یعنی حسن ترتیب وغیرہ میں افضل قرار دیا ہے، بعض نے کہا کہ یہ دونوں کتابیں برابر ہیں، یہ تیسرا قول ہے۔[5]

چوں کہ مسلم کی روایات و رواۃ میں بخاری کے مقابلہ میں زیادہ کلام ہے، اس لئے حاصلِ کلام یہ ہے کہ اعلیٰ مرتبہ صحت میں بخاری اور پھر صحیح مسلم اس کے بعد ابو داؤد و ترمذی و نسائی کو حاصل ہے۔[6]

---

[1] اتحاف النبلاء ص ۲۸، [2] فتح الملہم ص ۹۹، [3] تذکرہ ص ۱۶۵/۲ - [4] تذکرہ ص ۱۶۵/۲ -
[5] تدریب مختصراً۔ [6] نافع ص ۱۲

کتاب کی طرزِ ادا اور حسنِ ترتیب ہے، جس سے امام موصوف کے متعلق اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علمِ حدیث کی باریکیوں اور اسرار سے کس قدر واقف تھے، اور اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے، جس کی نظر ان تمام علوم پر ہو جس کی ایک محدث کو ضرورت پڑتی ہے۔

(۹) امام صاحب نے اپنی کتاب کو اپنے شہر میں نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ تصنیف کیا اور اس وقت ان کے بہت سے مشائخ باحیات تھے، اس لئے الفاظ کے سیاق و سباق میں نہایت احتیاط و غور و فکر سے کام لیا ہے، اور احادیثِ مرفوعہ ہی پر اکتفا فرمایا ہے، ان کی کتاب میں موقوفات وغیرہ شاذ و نادر ہیں جو ضمناً پائی جاتی ہیں۔

(۱۰) حدیث کے پورے متن کو یکجا ہی بیان کرتے ہیں اور اس کے پورے الفاظ کو نقل کرتے ہیں اور روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ بیان فرماتے ہیں، جو ان کے غایت احتیاط کی دلیل ہے اور اس کو صحابہ یا بعد کے لوگوں کے اقوال کے ساتھ ضم نہیں کرتے۔

صحاحِ ستّہ میں صحیح مسلم کا مقام

علامہ نووی فرماتے ہیں "کتاب اللہ العزیز کے بعد صحیحین بخاری و مسلم کا مرتبہ ہے اور امت نے ان دونوں کتابوں کی تلقی بالقبول کی ہے، البتہ صحیح بخاری اور دیگر فوائد و معارف کے لحاظ سے سب سے فائق و ممتاز ہے"[۱]

علامہ جزری لکھتے ہیں: "ورجحان کتاب البخاری علی کتاب مسلم أمرٌ ثابتٌ أدّی إلیہ جہابذۃ البخاری واختیارہم"[۲]

یعنی صحیح بخاری کا امام مسلم کی کتاب پر من حیث الصحۃ راجح و مقدم ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف بڑے بڑے ناقدینِ فن نے بحث و غور و فکر کے بعد کیا ہے۔

پس اسی سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کے بعد دوسرے درجہ پر صحیح مسلم کو رکھا گیا ہے،

نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"واقع ہست اجماع بر تلقی ایں ہر دو کتاب بالقبول والتسلیم زیرا کہ شیخین مقدم اند بر ائمہ عصرِ خود

---

[۱] مقدمہ نووی ص ۱۳، [۲] فتح الملہم،

ہم خیال ہیں۔

(۴) روایتوں کے الفاظ کے اختلاف کو اچھی طرح ضبط کرتے ہیں، جیسے فرماتے ہیں حدثنا فلان وفلان واللفظ لفلان، قال او قال أحمد حدثنا فلان، اسی طرح کبھی کسی حرف میں روایتوں کا اختلاف ہوتا ہے، جس سے کبھی معنی میں تغیر واقع ہو جاتا ہے اور کبھی اس سے معنیٰ میں تغیر نہیں ہوتا البتہ یہ تغیر بسا اوقات ایسا پوشیدہ ہوتا ہے کہ جس سے واقفیت کسی ماہر فن ہی کو ہو سکتی ہے، لیکن امام صاحب نے پوری کتاب میں اس کو بیان کرنے کا التزام فرمایا ہے۔

(۵) رواۃ کے سلسلہ میں امام صاحب نے غایت احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے، جیسے فرماتے ہیں عبد اللہ بن سلمہ حدثنا سلیمان یعنی ابن ھلال عن یحییٰ وھو ابن سعید، چوں کہ سلیمان و یحییٰ کا نام امام صاحب نے اپنے شیخ سے بقید نسب نہیں سنا تھا اس لئے اس سلسلہ روایت میں اس کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امام صاحب کا ذاتی اضافہ ہے، اور یہ اضافہ اس مقصد کے تحت کیا ہے کہ ایک راوی کا دوسرے راوی کے ساتھ التباس نہ ہو سکے،

(۶) امام صاحب نے مختلف طرق اور تحویل اسانید کو ایجاز کے ساتھ نہایت عمدہ عبارت میں پیش فرمایا ہے۔

(۷) صحیفہ ہمام بن منبہؔ وغیرہ کی احادیث کے مجموعہ کو جو ایک ہی استاذ سے مروی ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس قسم کے مجموعوں سے متعدد روایتیں کی جائیں تو بوقت روایت ہر حدیث کے لئے تجدید اسناد کی ضرورت ہوگی یا متحد الاسناد ہونے کی وجہ سے بعد کی دوسری حدیثیں اسی پہلی اسناد پر محمول کر دی جائیں گی۔ وکیع بن جراح، یحییٰ بن معین وغیرہ کے نزدیک تجدید اسناد کی ضرورت نہیں، لیکن استاذ اسحاق اسفرائنی جو اصول حدیث کے بڑے امام مانے جاتے ہیں، وہ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور ہر حدیث کو بقید اسناد روایت کرنا ضروری سمجھتے ہیں، امام مسلم کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ صحیفہ ہمام بن منبہؔ سے روایت کرنے میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

(۸) صحیح مسلم کو جن حیثیتوں سے ایک بے نظیر تصنیف کا خطاب دیا گیا ہے ان میں ایک وصف اس

کسی علت کی طرف اشارہ کیا اس کو کتاب سے خارج کر دیا، اس طرح یہ پندرہ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد یہ مجموعہ تیار ہوا جس کے بارے میں امام صاحب نے خود فرمایا ہے، لو أن اهل الحديث يكتبون مائتى ألف سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند يعنى صحيحه۔[1]

صحیح مسلم کی خصوصیات

مجموعی طور پر صحیح بخاری کو صحت وغیرہ بہت سے امور میں پورے مجموعہ احادیث پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن صحیح مسلم کو بھی بعض حیثیات سے صحیح بخاری اور پورے ذخیرۂ احادیث پر امتیاز ہے۔ چونکہ ہر مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ اس کی کتاب میں کوئی ایسی نئی و کارآمد بات ہو جو اسے دیگر کتابوں سے ممتاز کر دے، اس لئے چند خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، جو شرح نووی وغیرہ میں درج ہیں۔

(۱) امام صاحب اگر دو یا اس سے زیادہ سے روایت کو بیان کرتے ہیں جس میں معنی کے اتحاد کے ساتھ الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے تو دونوں کو ایک اسناد میں جمع کر دیتے ہیں لیکن جس راوی کے کچھ الفاظ بیان کرتے ہیں اسکی تعیین کر دیتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم سے استفادہ بہت آسان ہے کیونکہ ہر ایک حدیث کو اس کی مناسب جگہ پر بیان کرتے ہیں، وہیں پر اس کے طرق اور اس کی متعدد اسانید اور مختلف الفاظ کو جمع کر دیتے ہیں، جس سے اس حدیث کے تعددِ طرق اور الفاظ سے بسہولت واقفیت ہو جاتی ہے۔

(۳) حدثنا و أخبرنا کے درمیان بھی فرق قائم رکھا ہے، اصل یہ ہے کہ محدثینِ کرام کی تدریس کے دو طریقے رہے ہیں، ایک تو یہ کہ استاذ پڑھے اور تلامذہ سنیں، دوسرے استاذ شاگرد کے ہاتھ میں مجموعۂ حدیث دے دے اور شاگرد پڑھے استاذ سنے، حدیث کی صحت و قطعیت میں ان دونوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن بحث یہ ہے کہ پہلی قسم کی حدیثوں کو حدثنا اور دوسری قسم پر اخبرنا کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حدثنا کی جگہ پر اخبرنا یا اس کے عکس کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن محدثین کی ایک جماعت جس میں امام شافعی، امام اوزاعی، اور امام نسائی جیسے اکابرِ فن داخل ہیں، ان میں تفریق کرتے ہیں، دوسری قسم کی روایتوں کے لئے صرف لفظ "اخبرنا" رکھا ہے، امام مسلم بھی انہیں لوگوں کے

---

[1] مقدمہ نووی۔

فرمائے، ان کے بعد بہت سے محدثین نے تراجم ابواب قائم کیے ہیں جس میں بعض مناسب اور بعض غیر مناسب ہیں یا تو ترجمہ کی عبارت میں کمی یا الفاظ میں ناموزونیت ہوتی ہے، انشاء اللہ میں اس کو اچھے انداز میں ان جگہوں پر پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔[1]

لیکن مولانا شبیر احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مصنف کے شایانِ شان اب تک تراجم نہیں قائم کیے جا سکے شاید اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو توفیق دے کر یہ کام لے لے۔[2]

زمانۂ تصنیف | احمد بن سلمہ کا قول گذر چکا ہے پندرہ سال میں صحیح مسلم کی ترتیب میں شریک رہا جس سے مدتِ تصنیف کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، سفیان بن ابراہیم جو امام صاحب کے خاص شاگرد ہیں ان کے بیان کے مطابق ۲۵۷ھ میں اس کتاب کی قرأت سے فراغت پائی۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے انتقال سے بہت پہلے کتاب مکمل ہو چکی تھی،

امام صاحب کا اپنی تصنیف میں اہتمام | امام مسلم نے جمع حدیث میں نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتی تحقیق پر اکتفا کیا، یعنی یہ نہیں کیا کہ جن حدیثوں کو صحیح سمجھا تھا، نقل کر دیا بلکہ مزید احتیاط کے پیشِ نظر صرف وہی حدیثیں درج کی ہیں جن کی صحت پر مشائخ وقت کو اتفاق تھا چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ لیس کل شئ عندی صحیح وضعتہ ھھنا انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ (صحیح مسلم باب التشہد) ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی ان کو میں نے یہاں درج نہیں کیا ہے میں نے تو یہاں صرف ان احادیث کو درج کیا ہے جن کی صحت پر شیوخِ وقت کا اجماع ہے۔

شیخ ابن صلاح وغیرہ نے اجماع سے اجماعِ عام سمجھا اس لئے ان کو امام مسلم کے اس دعویٰ کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا۔ لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماعِ عام نہیں بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخِ وقت کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور خراسانی، ان چار ائمہ کے نام گنا کر لکھا کہ امام مسلم کی مراد اجماع سے ان چار حضرات کا اجماع ہے۔[4] جب کتاب مکمل ہو گئی تو ابو زرعہ امام الجرح والتعدیل کے سامنے پیش کیا جس روایت میں

---

[1] مقدمہ نووی ص۱۵۔ [2] مقدمہ فتح الملہم ص۱۰۰، [3] مقدمہ نووی۔ [4] تدریب ص۲۸۔

اور اپنی الجامع الصحیح کو تیار کیا، اس کو دیکھ کر امام مسلم کو بھی اسی عنوان سے ایک دوسرے انداز میں احادیثِ صحیحہ کو جمع کرنے کا شوق ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ امام مسلم، امام بخاری کے شاگرد ہیں اور ان سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے اور اکثر شیوخ میں دونوں شریک ہیں۔[1]

لیکن امام بخاری کے پیشِ نظر احادیثِ صحیحہ مرفوعہ کی تخریج اور فقہ و سیرت و تفسیر وغیرہ کا استنباط ہے، اس لئے انھوں نے موقوف و معلق، صحابہؓ و تابعین کے فتاویٰ وغیرہ بھی نقل کئے ہیں، اس مقصد کے پیشِ نظر احادیث کے متن و طرق کے ٹکڑوں کو اپنی کتاب میں بکھیر دیا ہے، اور امام مسلم کا مقصدِ اعظم فقط احادیثِ صحیحہ کو منتخب کرنا ہے، وہ استنباط وغیرہ سے تعرض نہیں کرتے، بلکہ ہر حدیث کے مختلف طرق کو حسنِ ترتیب سے یکجا ہی بیان کرتے ہیں جس سے متون کے اختلاف اور مختلف اسانید سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اس لئے احادیث منقطع وغیرہ کی تعداد شاذ و نادر ہے۔[2]

تعداد روایات | امام صاحب فرماتے ہیں: صنفت هذا المسند الصحيح في ثلث مائة ألف حديث مسموعة،[3] یعنی تین لاکھ احادیث سے ایک مسند صحیح کا انتخاب کیا ہے، علامہ طاہر جزائری کے نزدیک مکررات کے حذف کے بعد صحیح مسلم کی تعدادِ روایات چار ہزار (۴۰۰۰) ہے۔ شیخ ابن صلاح کی تحقیق میں مکررات کے علاوہ بنیادی حدیثیں چار ہزار ہیں۔[4]

علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ اگر مکررات کا لحاظ کیا جائے تو صحیح مسلم کثرتِ طرق میں بخاری سے زائد ہے، چنانچہ احمد بن سلمہ جو امام موصوف کے ساتھ ترتیب میں شریک تھے، فرماتے ہیں کہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰)، اور ابو حفص میانجی فرماتے ہیں، آٹھ ہزار، لیکن دوسرے قول میں حافظ ابن حجر نے نظر قائم کیا ہے لیکن فی الواقع دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے شمار کا معیار دونوں کے نزدیک مختلف رہا ہو۔[5]

تراجم ابواب | علامہ نووی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی کتاب کو ابواب کا لحاظ رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے۔ گویا فی الواقع کتاب کی تبویب کر دی گئی تھی، لیکن شاید حجم کتاب کی زیادتی یا اور کسی وجہ سے تراجم ابواب قائم نہیں

---

[1] مقدمہ فتح الملہم ص ۹۲ [2] حاشیہ شروط الائمہ ص ۵۵ - مسلم مقدمہ نووی ص ۱۳ و تذکرہ ص ۲۱۵ - [4] مقدمہ فتح الملہم ص ۱۹

[5] تدریب ص ۳۰ -

تصنیفات | صحیح مسلم کے علاوہ بھی امام صاحب نے بکثرت تصنیفات کی ہیں، جن کی اجمالی فہرست پیش ہے:۔

مسند کبیر، الاسماء والکنی، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب التمیز، کتاب الوحدان، کتاب الافران، کتاب سؤالات لاحمد، کتاب حدیث عمرو بن شعیب، کتاب الانتفاع باھب السباع، کتاب مشائخ مالک، کتاب الثوری، شعبہ، کتاب من لیس لہ إلا راو واحد، کتاب المخضرمین، کتاب اولاد الصحابہؓ، کتاب اوہام المحدثین، کتاب الطبقات، کتاب افراد الشامیین، وکتاب رواۃ الاعتبار[1]

الجامع الصحیح للامام مسلم رحمہ اللہ

مذکورہ بالا فہرست سے معلوم ہو چکا ہے کہ امام موصوف نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ مقبولیت اور شہرت "الجامع الصحیح" کو حاصل ہوئی ہے، اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہمیشہ صحیح بخاری کے ساتھ ساتھ اس کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ | اس پر الجامع کا اطلاق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے نہیں کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جامع وہ ہے جس میں حدیث کے ابواب ثمانیہ موجود ہوں، جیسے الجامع الصحیح للامام بخاری، یا الجامع الصحیح للامام الترمذی، لیکن مسلم میں فنِ تفسیر وقراۃ سے متعلق احادیث بہت کم ہیں اس لئے اس کو الجامع صحیح نہیں کہا گیا ہے[2] اگرچہ فنِ تفسیر کی احادیث بہت کم ہیں لیکن آخر کتاب میں کچھ موجود ہیں، اس لئے محدثین نے اس کو الجامع کہا ہے۔

صاحب کشف الظنون وصاحب قاموس نے بھی اس پر الجامع کا اطلاق کیا ہے۔ اس لئے متاخرین نے اس کو الجامع الصحیح کہا ہے، البتہ متقدمین فقط الصحیح کہتے تھے[3]

تفسیر کے حصے کے مختصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس باب کی روایتیں امام صاحب کے شرط پر بہت قلیل تھیں اور خود امام بخاریؒ کی کتاب التفسیر تکرار وغیرہ کی وجہ سے بہت طویل ہو گئی ہے، ورنہ احادیثِ صحیحہ مسندہ کی تعداد قلیل ہی ہے[4]

غرضِ تصنیف | احادیث کے ذخیرہ میں سے سب سے پہلے امام بخاریؒ نے احادیثِ صحیحہ مرفوعہ کو الگ منتخب فرمایا۔

---

[1] مقدمہ فتح الملہم ص۱۰۰ وتدریب ص۵۱۵، [2] عجالہ نافعہ ص۶ - [3] لامع الدراری ص۲۲۴ -

[4] افادات حضرت الاستاذ مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث دفتح ص۱۶۵

البتہ اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب ان شرائط میں کوئی شرط موجود نہ ہو یا ان میں باہم اس شرط کے اشتراط میں اختلاف ہو، زیادہ تر ان روایتوں میں جن میں ایک فریق کے نزدیک صحیح کے شرائط موجود ہوں اور دوسرے کے نزدیک معدوم مثلاً عکرمہ و عمر بن مرزوق سے امام بخاری روایت کرتے ہیں، لیکن امام مسلم ان کو قابلِ روایت قرار نہیں دیتے[1] اس بنا پر امام مسلم نے امام بخاری کے ۴۳۴ راویوں سے اور امام بخاری نے امام مسلم کے ۶۲۵ راویوں سے روایت نہیں کیا ہے[2]

اسی طرح امام مسلم نے ایسے لوگوں سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے جن کی حدیث کو کسی شبہ کی بنا پر امام بخاری نے ترک کر دیا تھا۔[3] جس کی مثال امام زہری کے تلامذہ ہیں جو اوصاف کی کمی و زیادتی کے لحاظ سے پانچ طبقوں میں تقسیم کئے گئے ہیں، امام بخاری نے طبقۂ اولیٰ سے اصالتہً اور طبقہ ثانیہ سے جن کی احادیث پر ان کو اعتماد ہے ان سے بھی روایت کیا ہے، لیکن بالاستیعاب ایسا نہیں کیا، اور امام مسلم نے دونوں طبقوں کی احادیث کو بالاستیعاب لیا ہے، اسی طرح طبقۂ ثالثہ کی روایات کو امام بخاری نے قبول نہیں کیا ہے، لیکن امام مسلم ان سے بھی کبھی کبھی روایات بیان کرتے ہیں،[4] ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد اور مسلم کی شرطیں تقریباً یکساں ہیں مگر جمہور محدثین نے ان کے قول کی تردید کی ہے[5]

صحیح مسلم کا سلسلۂ روایت صحیح مسلم کی شہرت اگرچہ مصنّف سے تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کی روایات کا سلسلہ شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری المتوفی ۳۰۸ھ سے قائم رہا۔ ابراہیم بن سفیان کو امام مسلم سے خاص ربط تھا اکثر حاضرِ خدمت رہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ امام مسلم نے اس کتاب کی قراءت سے جو انھوں نے ہمارے لئے شروع کی تھی، رمضان ۲۵۷ھ میں فراغت پائی، یوں بلادِ مغرب میں امام صاحبؒ کے ایک اور شاگرد ابو محمد احمد بن علی قلانسی سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی جاتی ہے، لیکن اس کا سلسلہ مغرب کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکا جو قبولِ عام ابراہیم نیشاپوری کی روایت کو نصیب ہوا وہ قلانسی کی روایات کو نہ ہو سکا۔

علاوہ ازیں صحیح مسلم کا آخری حصہ جو تین جزء کے قریب قریب ہے ابو محمد قلانسی نے امام مسلم سے براہِ راست نہیں سنا، بلکہ وہ اس کو ابراہیم کے شاگرد ابو احمد جلودی سے روایت کرتے ہیں۔[6]

---

[1] فتح الملہم ص۵۶، [2] مقدمہ فتح الباری ص۶، [3] شروط الائمہ ص۱، [4] تدریب ص۴۲، [5] تدریب ص۵۶
[6] مقدمہ شرح مسلم (نووی)۔

صحیح مسلم پر بعض شبہات | علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیحین پر استدراک کیا گیا، بہت سی احادیث کی تخریج میں شیخین کے شرائط پورے پورے موجود نہیں ہیں، امام دارقطنی نے اس پر مستقل رسالہ "الاستدراک والتتبع" کے نام سے لکھا، اور تقریباً دو سو احادیث پر کسی نوع کا کلام کیا ہے، نیز بعض دیگر علماء نے بھی استدراک کیا ہے۔[۱]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہر مصنف کے سامنے جو ان احادیث پر غور کرے گا، یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی کہ ان اعتراضات کا تعلق موضوعِ کتاب سے نہیں، پھر وہ احادیث دوسرے اسانید سے بھی مروی ہیں۔ شیخ ابن صلاح وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کہ اس کتاب کی صحت کو امت نے تسلیم کیا ہے لیکن جن جگہوں پر اعتراضات کئے گئے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔[۲]

حافظ ابن حجر نے کہا کہ ان روایات کی تعداد دو سو بیس ۲۲۰ ہے جس میں ۳۲ میں صحیحین کا اشتراک ہے اور ۷۸ بخاری میں اور ۱۰۰ مسلم میں، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ صحیحین کی جن احادیث کی تضعیف کی گئی ہے ان کی بنا ہر ایسے علل پر ہے جو کچھ حارج نہیں۔[۳]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: وھو احتراز حسنٌ

علامہ ابن تیمیہ صحیحین کے سلسلہ میں فرماتے ہیں جو شخص سات ہزار دراہم کو پرکھے گا اگر چند دراہم اس کے معیارِ کامل پر نہ اُترے تو اس میں کوئی نقص کی بات نہیں۔[۴]

امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو امام ابو زرعہ رازی کے سامنے پیش کیا، جس حدیث میں انھوں نے کسی علت کی طرف اشارہ کیا میں نے ترک کر دیا۔ اس سے یہ بات معلوم و متعین ہو گئی کہ شیخین ان احادیث کی تخریج کرتے ہیں جس میں کوئی علت نہ ہو یا ایسی علت ہے جو ان دونوں کے نزدیک غیر مؤثر ہے، پس معترضین کا نقص شیخین کی تصحیح کے معارض ہوگا اور شیخین کی تصحیح کو دوسروں کے مقابل میں جو فوقیت ہے وہ معلوم ہے، اس کے بعد حافظ نے اس اجمال کی تفصیل کی ہے۔[۵]

صحیح مسلم کی شروح | صحیح مسلم پر بہت سی شروح و حواشی اور مستخرجات لکھے گئے ہیں، صاحبِ کشف الظنون نے ان پر مفصل تذکرہ کیا ہے، ہم یہاں چند مشہور شروح کا تعارف کرا رہے ہیں۔

---

۱ مقدمہ شرح نووی۔ ۲ فتح الملہم ص ۹۶، ۳ فتح الملہم ص ۹۶، ۴ تدریب ص ۴۲، ۵ تدریب ص ۷۶۔

(۱) المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج - یہ حافظ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، المتوفی ۶۷۶ھ کی تصنیف ہے۔

(۲) مختصر شرح النووی:- شیخ شمس الدین محمد بن یوسف القونوی الحنفی، المتوفی ۷۸۸ھ نے اسی منہاج کا اختصار کیا ہے۔

(۳) اکمال المعلم فی شرح مسلم:- علامہ قاضی عیاض المالکی ۵۴۴ھ، قاضی صاحب نے علامہ مازری کی شرح کی تکمیل کی ہے۔

(۴) اکمال المعلم بفوائد کتاب مسلم:- ابوعبداللہ محمد بن علی المازری ۵۳۶ھ، اس کی تکمیل قاضی صاحب نے کی ہے اسی لئے قاضی صاحب نے اپنی شرح کا نام اکمال المعلم رکھا ہے۔

(۵) المفہم لما اشتمل فی تلخیص کتاب مسلم:- ابوالعباس احمد بن عمر بن ابی ابراہیم القرطبی ۶۵۶ھ، علامہ موصوف نے سب سے پہلے صحیح مسلم کی تلخیص و تبویب کی، اس کے بعد اس کی شرح لکھی، مصنف کا بیان ہے کہ ان کی شرح میں علاوہ توجیہ استدلال کے اعراب کے نکات بھی بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) اکمال المعلم:- امام ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الاُبی، المالکی، المتوفی ۸۲۷ھ، مصنف نے قاضی عیاض، علامہ نووی، قرطبی مازری کی شروح سے مدد لی ہے اور بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے۔

(۷) المفہم فی شرح غریب مسلم:- امام عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی، المتوفی ۵۲۹ھ۔ الفاظ غریبہ کی شرح ہے۔

(۸) شرح صحیح مسلم:- عمادالدین عبدالرحمٰن بن عبدالعلی المصری، اس شرح کی کیفیت معلوم نہیں۔

(۹) شرح صحیح مسلم:- علامہ ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود الزاوی، المتوفی ۷۴۴ھ، یہ معلم، اکمال، مفہم اور قاضی زین الدین زکریا بن محمد الانصاری، المتوفی ۹۲۶ھ کی شرح کا مجموعہ ہے۔

علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ اس کا زیادہ تر مجموعہ میرے ہاتھ کا لکھا ہے۔

(۱۰) الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، علامہ جلال الدین سیوطی، المتوفی ۹۱۱ھ،

یہ نہایت لطیف شرح ہے افسوس نایاب ہے۔

(۱۱) وشی الدیباج :- علامہ بجمعوعی المتوفی ۱۲۹۸ھ نے علامہ سیوطی کی شرح کی تلخیص کی ہے، جو مصر سے طبع ہو چکی ہے۔

(۱۲) السراج الوھاج :- مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب، المتوفی ۱۳۰۷ھ، یہ بھی مختصر منذری کی شرح ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

(۱۳) مختصر صحیح مسلم :- علامہ عبد العظیم منذری نے صحیح مسلم کا اختصار کیا اور تبویب بھی کی ہے، یہ اس کی شرح ہے۔

(۱۴) فتح الملہم :- یہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ المتوفی سہ ھ کی شرح ہے، اس کی صرف تین جلدیں مکمل ہو سکیں، غالباً پانچ جلدوں میں یہ مکمل ہوتی، مگر افسوس کہ حضرت مولانا کا وصال ہو گیا، اس لئے کتاب ناقص رہی، ہم دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ، کسی اپنے بندہ کے ذریعہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے، مصنف نے شروع میں ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے جس میں علم حدیث کے اصول وضوابط اور کتاب کی خصوصیات سے بحث کی ہے، نیز شرح میں خصوصیت سے اسرارِ حدیث کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ہے، اس مقالہ میں اس سے بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم کی شروح و متعلقات کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہے، جو ملا علی قاری ۱۰۱۶ھ، علامہ قسطلانی ۹۲۳ھ وغیرہ کے قلم سے نکلی ہیں، صاحبِ کشف الظنون وغیرہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اردو

مصنف: حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔
مترجمہ: رشید احمد صاحب انصاری مرحوم۔

اس کتاب کی اہمیت کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی کافی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں قرآن مجید کی تفسیر کے تمام بنیادی اصولوں پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ یہ کتاب کلامِ الٰہی کی تفسیرِ صحیح کے لئے ایک کنجی کا کام دیتی ہے۔ کتابت وطباعت عمدہ، قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی